بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبلیغی جماعت کے طریقۂ کار کی شرعی حیثیت

تبلیغی جماعت کے طریقۂ کار کی شرعی حیثیت

سوال: موجودہ دور میں ایک تبلیغی تحریک ''تبلیغی جماعت'' کے نام سے تبلیغی سرگرمیوں میں منہمک ہے، اس کے کثرت شیوع اور ہمہ گیری کے باعث جب مطلق تبلیغ کا نام بولا جاتا ہے تو اس کا اطلاق بے تکلف اسی تحریک پر ہوتا ہے، یہ تحریک چند اعمال و اشغال سے مرکب ہے، جنہیں اس کی مجموعی حیثیت میں اجزا و لوازم کی حیثیت حاصل ہے، اور ان پر بیحد التزام و اصرار کیا جاتا ہے، نیز تمام مسلمانوں کو خواہ عالم ہو یا جاہل، دیندار ہو یا دین سے دور، سب کو اس میں شرکت اور ان اعمال و اشغال پر کاربند ہونے کی دعوت دی جاتی ہے، اور بشدت اصرار کیا جاتا ہے، اس دعوت و اصرار کا اثر یہ ہے کہ عامۃ الناس جو اس میں شریک یا اس کے مؤید ہیں، اس کو اس درجہ ضروری دینی عمل سمجھنے لگے ہیں کہ جو اس میں شریک نہ ہو یا اس سے اختلاف رکھتا ہو وہ نہ صرف یہ کہ مستحق ملامت ہے بلکہ گمراہ اور راہ سے بھٹکا ہوا ہے، حتی کہ جو عالم اپنے دینی مشاغل کے باعث اس میں شریک نہیں ہوتے وہ بھی اس حلقہ میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔ بہت سے مدارس میں مدرسی کے لئے شرط ہے کہ وہ تبلیغی جماعت سے وابستہ ہو، یہ ذہن صرف عوام ہی کا نہیں ہے خواص بھی اپنی تقریروں میں کہیں صراحۃً اور کہیں عالمانہ تعبیرات میں اشارۃً یہ کہتے ہیں کہ ہدایت کا راستہ اگر کوئی ہے تو یہی ہے، جو کچھ اس کے علاوہ ہے خالی

از خطر نہیں۔ یہ تبلیغی حضرات کے ذہن و فکر کا اجمالی خاکہ ہے، ذیل میں ان اعمال و اشغال کو لکھا جاتا ہے جن سے اس کی مجموعی صورت مرتب ہوتی ہے۔

(۱) خروج:

یعنی اس تحریک میں شرکت کے لئے گھر چھوڑ کر ایک مدت متعینہ کے لئے باہر نکلنا، سفر کے اخراجات خود نکلنے والے کے ذمے ہوتے ہیں، اس کو کبھی ہجرت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ''تفریغ وقت'' بھی یہی ہے۔

(۲) چلہ:

چالیس روز کے واسطے گھر چھوڑ کر نکلنا، لیکن یہ لفظ بطور عموم کے بھی استعمال ہوتا ہے جس میں چالیس روز سے کم وبیش مقدار بھی شامل ہے، عامۃ الناس کو ابتداء سال کی دعوت دی جاتی ہے، اس کے بعد ایک چلہ کی، پھر دس دن کی، یہ نہ ہو تو تین روز کی، ورنہ چوبیس گھنٹہ کی، پھر جتنے وقت کے لئے چاہیں۔ اور علما سے ابتداء سات چلہ کا مطالبہ ہوتا ہے۔

(۳) جماعت:

چند افراد پر مشتمل ایک جماعت بنائی جاتی ہے، جس میں ایک امیر ہوتا ہے، باقی مامور، یہ جماعت مخصوص آداب و اعمال کے ساتھ قریہ قریہ سفر کرتی رہتی ہے، اس کا قیام ہمیشہ مسجد میں ہوتا ہے۔

(۴) گشت:

یہ تین طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) خصوصی (۲) عمومی (۳) تعلیمی

خصوصی کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کے دو یا تین افراد مل کر با اثر اور ذمہ دار قسم
کے افراد سے ملاقات کرتے ہیں، اور انہیں تعاون اور شرکت کی دعوت دیتے ہیں، اس تعاون
کو اپنی اصطلاح میں ''نصرت'' کہتے ہیں۔

عمومی کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ دن بھر ایک بار پوری جماعت مل کر بستی کے عام
افراد سے ملاقات کر کے نماز کی اور اس کے بعد بیان تبلیغ میں شریک ہونے کی دعوت دیتی
ہے، اس گشت میں نکلتے وقت جماعت کے ایک فرد کو مسجد میں دعا کرنے کے لئے متعین کر
دیا جاتا ہے، جماعت ہی کا ایک فرد گشت کا امیر اور ایک شخص متکلم مقرر ہو جاتا ہے، اور
ایک رہبر بستی کا لے لیا جاتا ہے۔

اور تعلیمی یہ ہے کہ ایک مخصوص وقت میں کتب فضائل جنہیں تبلیغی نصاب کہتے ہیں،
پڑھی جاتی ہے، اس وقت ایک یا دو آدمی بستی کی گلیوں میں اور چوراہوں پر جاتے ہیں، اور
جس آدمی کو فارغ دیکھتے ہیں اسے دعوت دے کر مسجد لاتے ہیں، تاکہ وہ اس میں شریک ہو۔

(۵) بیان:

عمومی گشت کے بعد جو عموماً کسی نماز سے پہلے ہوتا ہے، نماز سے فارغ ہو کر
جماعت ہی کا کوئی فرد علی العموم امیر جماعت اپنی دعوت لوگوں کے سامنے رکھتا ہے، اور
چھ باتوں پر تقریر کرتا ہے۔

(۶) تعلیم:

کتب فضائل کسی ایک وقت یا دو وقت پڑھی جاتی ہیں، اسی کو تعلیم کہتے ہیں۔

(۷) مشورہ:

جماعت جب کسی آبادی میں پہنچتی ہے تو فوراً افراد جماعت بیٹھ کر مشورہ کرتے ہیں،
جس میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ کھانے کے نظم پر کون کون ہوگا؟ اعلان کون کرے گا؟ بیان کس کا
ہوگا؟ گشت خصوصی میں کون جائے گا؟ مشورہ کا بھی امیر متعین ہوتا ہے۔

(۸) تشکیل:

بیان کے خاتمے پر لوگوں کو چلہ میں نکلنے کی ترغیب دی جاتی ہے، بیان
کرنے والے کے علاوہ خود جماعت کے تمام افراد بھی فرداً فرداً بات کرتے ہیں،
اور انہیں اصرار سے چلہ میں نکلنے کی دعوت دیتے ہیں، ان کے اعذار و موانع کا حل
پیش کیا جاتا ہے، یا رد کیا جاتا ہے۔

(۹) دعا:

ہر بیان کے بعد اجتماعاً اور جہراً طویل دعا ہوتی ہے، اس کے علاوہ بھی گشت شروع
کرنے سے پہلے مسجد سے باہر نکل کر کسی بستی میں داخلہ سے پہلے، کھانے سے پہلے اور بعد،
سونے سے پہلے اجتماعاً اور جہراً، اور کبھی صرف جہراً دعا ہوتی ہے۔

(۱۰) تفقد:

جو لوگ چلہ میں نکلنے کے لئے نام لکھواتے ہیں انہیں دوبارہ اہتمام کے ساتھ اکٹھا
کرنا ان کا حوصلہ بندھانا، ان کی دیکھ بھال کرنا ''تفقد'' کہلاتا ہے۔

(۱۱) اجتماع:

مختلف جماعتیں اورافراد ایک جگہ تاریخ مقررہ پر اکٹھا ہوتے ہیں، جماعت کے اکابر بھی تشریف لاتے ہیں،تقریریں ہوتی ہیں،اجتماع کے خاتمہ پرتشکیل کے بعد بہت لمبی دعا ہوتی ہے۔یہ اجتماعات دوطرح کے ہوتے ہیں،سہ روزہ۔یہ بڑا اجتماع ہوتا ہے،کبھی اس کو عالمی اجتماع کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جب کہ غیر ملکی جماعتیں شریک ہوتی ہیں۔ دوسے چوبیس گھنٹہ کا اجتماع، یہ بالعموم ہر ماہ کسی کسی جگہ ہوتا ہے،اس کے علاوہ مقامی طور پر بھی ہفتہ وار اجتماعات ہوتے رہتے ہیں۔

(۱۲) شب گزاری:

مقامی احباب عموماً جمعہ کی شب کسی مسجد میں اکٹھے ہوکر وہیں آداب کے مطابق کھانا کھاتے اور رات گزارتے ہیں۔

(۱۳) چھ باتیں:

جماعت میں نکلنے کے بعد آدمی چھ باتوں کے دائروں میں منحصر ہوکر اپنے اوقات گزارتا ہے، انہیں چھ باتوں پر بیان ہوتے ہیں،ان کے علاوہ کسی اور بات کی اجازت نہیں ہوتی، وہ چھ باتیں یہ ہیں۔(۱) کلمہ طیبہ (۲) نماز (۳) علم وذکر (۴) اکرام مسلم (۵) اخلاص نیت (۶) تفریغِ وقت یعنی خروج۔ان چھ کے علاوہ ایک اور چیز ہے جس کو پرہیز کا لقب دیتے ہیں،وہ ہے ’’ترکِ لایعنی‘‘ ان چھ باتوں کے علاوہ کسی اور میں مشغول نہ ہوں۔

(۱۴) اجتماعی تلاوت سورہ یٰس:

یہ امر مرکز یعنی بستی نظام الدین میں بعد مغرب التزاماً رائج ہے۔

(۱۵) مصافحہ:

جماعتیں جب اجتماعات سے روانہ ہوتی ہیں یا مرکز سے کوچ کرتی ہیں تو وہاں موجود حضرت جی یا کسی بڑے سے مصافحہ کرتی ہیں،اس کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔

یہ ہیں اجزاء اس تبلیغی جماعت کے،ان سب امور کو التزاماً پورا کیا جاتا ہے،ان میں سے اکثر کے مستقل فضائل بیان کئے جاتے ہیں،گشت سے پہلے تو بالالتزام ’’فضائلِ گشت‘‘ کے عنوان سے ایک مختصر بیان ہوتا ہے،ان امور کو دینی اور عبادتی حیثیت سے ضروری سمجھا جاتا ہے،ان میں سے کسی کی عدم بجا آوری کو اصول کے خلاف اور بے برکتی اور خرابی کا باعث خیال کرتے ہیں،وعیدیں سنائی جاتی ہیں۔جہاد کے فضائل اس جماعت پر چسپاں کئے جاتے ہیں،اور ہر ہر فرد کے لئے شمولیتِ جماعت کو لازم قرار دیا جاتا ہے، عدمِ شمولیت پر بعض اوقات عذاب تک کی وعیدیں سنادیتے ہیں۔

ترتیب شمولیت کی علی الانفراد یہ بیان ہوتی ہے کہ عمر بھر میں بیک دفعہ تین چلہ، اورعلما کے لئے سات چلہ، پھر سال بسال ایک ایک چلہ،مہینہ میں تین دن، ہفتہ میں دو گشت،ایک اپنے محلے میں اورایک دوسرے محلے میں، روزانہ کی تعلیم۔جو اس طریقہ پر پوری طرح عامل ہے،وہ کامل ہے،ورنہ بقدر کمی اس میں کوتاہی۔تبلیغی حضرات اس تحریک سے کسی کو مستثنی نہیں کرتے، چنانچہ مدرسین اور طلبہ سے بھی جمعرات جمعہ اور رمضان کی

تعطیلات میں چلہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔

نتائج:

اس تحریک کے کچھ مفید اور کچھ مضر اثرات شاہد ہیں، اچھے تو یہ کہ ہر جگہ دین کی بیداری پیدا ہوگئی، مسجدوں میں نمازی بڑھ گئے، بعض بعض علاقہ جو بالکل فسق وفجور میں ڈوبے ہوئے تھے ان کی اصلاح ہوگئی، عام دینی زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی، جہاں لوگ نماز روزے سے ناواقف تھے وہاں مسجدیں آباد ہوگئیں، بہت سے اہل بدعت کی اصلاح ہوگئی، یورپین ممالک میں اس تحریک کے ذریعے بکثرت مسلمان ہونے کی اطلاعات ہیں۔

نقصانات یہ ہیں کہ دینی اعمال واشغال کو مذکورہ چھ باتوں میں منحصر سمجھنے کا رجحان پیدا ہوگیا ہے، تبلیغ صرف اسی ایک طریقہ میں منحصر سمجھی جانے لگی دوسری دینی خدمات کے متعلق دینی خدمات نہ سمجھنے کے رجحانات پیدا ہوگئے ہیں، اس میں شرکت نہ کرنے والے موردِ ملامت بن گئے، وہ علماء جو اپنے مشاغل تدریس وتالیف، وعظ وتقریر، افتاء وارشاد میں مصروف ہونے کے باعث اس میں عملاً شریک نہیں ہوتے ان کی وقعت عامۃ الناس کے قلوب سے نکل گئی، ان پر کاہلی اور ناکارگی کے اتہامات عائد ہوتے ہیں، مدارس وخوانق کے متعلق بھی اس قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔

ان سب حالات کو دیکھ کر دریافت طلب یہ ہے کہ اس تحریک کا شرعی حکم کیا ہے؟ مفصل بیان کیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆

حامداً ومصلیاً

پہلے چند قواعد سمجھ لینے ضروری ہیں، ان کے ذہن نشیں ہونے کے بعد مسئلہ کا حکم دریافت کرنے میں سہولت ہوگی۔

(۱) امورِ شرع کے معتبر دلائل چار ہیں، قرآن، سنت رسول، اجماع، قیاس۔ کسی عمل کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ ان چاروں دلائل میں کسی ایک سے ثابت ہو، اور جو حکم ان سے ثابت نہ ہو، خواہ وہ کتنا ہی ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہو، جائز نہیں۔

(۲) احکام شرع دو طرح کے ہیں۔ بعض احکام ایسے ہیں جنہیں محض بجالانے کا امر ہے، شریعت نے ادیگی کی کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے، انہیں ادا کرنے کے لئے کوئی بھی طریقہ جو شرعاً جائز ہو اختیار کیا جا سکتا ہے، اس سے وہ فرض ادا ہو جائے گا، مثلاً جہاد کہ اس کے لئے کوئی خاص ہیئت، فوج کی کوئی خاص ترتیب، کچھ مخصوص اسلحے متعین نہیں ہیں، جب جیسی ضرورت ہو ویسی ہیئت بنائی جا سکتی ہے، ہر زمانہ کے مطابق اسلحے اختیار کئے جا سکتے ہیں، کسی ایک محدود ومخصوص صورت میں جہاد منحصر نہیں ہے، ایسے احکام اصطلاحِ شرع میں مطلق کہے جاتے ہیں۔

بعض احکام ایسے ہیں جن کی ادائیگی کے لئے کوئی خاص شکل یا وقت وغیرہ متعین ہیں، مثلاً نماز کہ یہ عبادت رکوع، سجود، قیام وقعود اور قرأت وغیرہ پر مشتمل ہے، ایسے احکام

"مقید" کہلاتے ہیں، اور مقیدہ کو ان کی قیودات کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے ورنہ اس کا وجود ہی نہ ہوگا، فرض کرو کوئی نماز تو پورے طور پر ادا کرے مگر سجدہ نہ کرے تو اس کو نماز ہی نہ کہیں گے، سجدہ شرعاً مطلوب ہے، امور مقیدہ میں جتنی تقییدات ہیں سب مطلوب شرعی ہیں، اس کے خلاف امور مطلقہ کو کسی بھی ہیئت میں بشرطیکہ وہ ہیئت جائز ہو، ادا کرنا درست ہے۔

(۳) لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جب کسی امر مطلق کی بجا آوری ہوگی تو وہ کسی فرد کے ضمن میں ہوگی، اس کی کوئی خاص صورت وہیئت ضرور بنے گی، تاہم یہ خیال رہے کہ اس کے اجزاء مطلق کے لئے قیود نہ ہوں گے کہ ان کے بغیر اس کی ادائیگی ہی نہ ہو سکے، بلکہ انہیں عوارض اور منضمات کہیں گے، مثلاً جہاد کے لئے کسی نے ایک لشکر ترتیب دیا، اس کے مختلف دستے متعین کئے، انہیں مختلف مقامات پر مامور کیا، سب کی خدمات بتائیں، ہتھیار دیئے، ان تمام امور سے جہاد کی ایک ہیئت بنی، ان امور کو جہاد کی قید نہیں سمجھا جائے گا، اگر کوئی شخص اس طریقہ سے مختلف کوئی اور ڈھنگ اختیار کرے تو وہ بھی بے تکلف جہاد ہی ہوگا۔ غرض مطلق کی کوئی شکل اس طور پر متعین نہیں ہوگی کہ اس کے اجزاء کو قیود کا درجہ دیا جائے، اگر کوئی شخص اپنی رائے سے مطلق میں کوئی قید لگادے تو یہ امر نامشروع اور بدعت ہوگا، فقہا کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ:

المطلق یجری علی اطلاقه۔ مطلق اپنے اطلاق ہی پر رہے گا۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

التقیید فی المطلقات اللتی لم یثبت بدلیل الشرع تقییدها رأی فی التشریع۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۳۴۵)

مطلق کی ایسی تقیید جو دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو، شریعت میں رائے کی دخل اندازی ہے۔

مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ بحکم آیات و احادیث مجمع علیہ تمام امت کا ہے کہ کسی حد کو حدود شرعیہ میں سے تغیر کرنا نہیں چاہئے، اور کسی وصف و حکم کو تبدل، کمی زیادتی وغیرہا سے دینا نہیں چاہئے، مطلق کو مطلق، مقید کو مقید، ضروری کو ضروری، اور مباح کو مباح، اپنے حالات مشروعہ پر رکھنا واجب ہے ورنہ تعدی حدود اللہ اور احداث وبدعت میں گرفتار ہو جاوے گا"۔ (براہین قاطعہ ص ۱۱۲)

(۴) امر مشروع میں کسی مباح یا مندوب کا انضمام اسی حد تک جائز ہے جب تک وہ اپنی حد پر ہے، اگر اسے لازم اور ضروری قرار دیا جائے یا اس پر ایسا دوام و استمرار ہو جائے کہ لوگوں میں لزوم کے اعتقاد کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو وہ امر منضم اپنی حد انضمام سے بڑھ کر قید بن جائے گا، اس لئے اس کا ترک لازم ہوگا، اسی کا نام اصطلاح فقہ میں "التزام ما لا یلزم" ہے، یعنی جس امر کو شریعت نے عبادۃً یا عادۃً لازم اور ضروری نہ بنایا ہو، اس کو اپنی طرف سے لازم قرار دینا، یہ درست نہیں ہے، اس کو اگر دین یا ثواب کی چیز سمجھ کر لازم کیا گیا تو بدعت ہے، مثلاً نماز میں کسی خاص سورت کا پڑھنا متعین نہیں ہے، کوئی بھی سورت پڑھی جا سکتی ہے، اگر کوئی شخص کسی خاص نماز میں کسی ایک ہی سورت کا ایسا التزام کرے جس سے اس کے لزوم کا ایہام ہو تو فقہا نے اسے ممنوع قرار دیا ہے، اسی بنا پر مستحبہ مثلاً جمعہ کے دن نماز فجر میں 'الم سجدہ' اور سورہ 'دہر' کا التزام مکروہ ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"التزام مالا یلزم بدونِ اعتقادِ وجوب بھی ممنوع ہے، اگر با اصرار ہو، اگر مندوب پر دوام ہو بلا اصرار، وہ جائز ہے، اور مستحب ہے، بشرطیکہ عوام کو ضرر نہ کرے، اور اگر عوام کے اعتقاد میں نقصان ڈالے تو وہ بھی مکروہ ہے، چنانچہ کتب فقہ میں سورِ مستحبہ کے التزام کو مکروہ لکھا ہے"۔ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۳۴)

مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی فرماتے ہیں:

قد تقرر فی مقره ان کل مباح ادی الی التزام غیر مشروع و الی فساد عقائد الجهلة وجب ترکه علی الکملة ان لا یلتزموا لکونه مؤدیا الی اعتقاد السنیة ۔(روح الاخوان محدثات آخر جمعة فی رمضان)

اپنی جگہ ثابت ہو چکا ہے جو مباح ضروری سمجھ لیا جائے اور اس سے عوام کا اعتقاد فاسد ہونے لگے تو اس کا ترک کرنا علما پر ضروری ہے، اور یہ کہ اس کا التزام نہ کریں، کیوں کہ لوگ اسے سنت سمجھنے لگیں گے۔

امام شاطبی اور وضاحت فرماتے ہیں:

کل ما واظب رسول الله ﷺ من النوافل فی الجماعات فهو سنة فالعمل بالنافلة اللتی لیست بسنة علی طریقة العمل بالسنة اخراج النافلة عن مکانها المخصوص بها شرعاً ثم یلزم

من ذالك اعتقاد العوام فیها من لا علم عنده انها سنة وهذا فساد عظیم، لان اعتقاد ما لیس بسنة والعمل علی حد العمل بالسنة نحو من تبدل الشریعة کما لو اعتقد فی الفرض انه لیس بفرض او فیما لیس بفرض انه فرض ثم عمل وفق ا عتقاده فانه فاسد فهو العمل فی الاصل صحیحاً فاخراجه عن بابه اعتقاداً او عملاً من باب افساد الاحکام الشرعیة ومن ههنا ظهر عن السلف الصالح ترکهم سنةً لئلا یعتقد الجاهل انها من الفرائض ۔(الاعتصام ص ۳۶۴)

ہر وہ عبادت نافلہ جس پر رسول اللہ ﷺ نے مواظبت فرمائی ہو، اور اس کو جماعتوں میں ظاہر فرمایا ہو، وہ سنت ہے، پس وہ نفلی عمل جو سنت نہ ہو، اس کو عمل بالسنۃ کے طریقے پر عمل کرنا درحقیقت اس نفلی عمل کو اس کے مخصوص شرعی مرتبے سے خارج کرنا ہے، پھر اس سے لازم آتا ہے کہ عوام اور جہلاء اس کو سنت اعتقاد کرنے لگیں، اور یہ فساد عظیم ہے۔ اس لئے کہ جو سنت نہ ہو اس کو سنت اعتقاد کرنا شریعت کو تبدیل کر دینا ہے، جیسا کہ فرض کو غیر فرض اور فرض کو غیر فرض اعتقاد کرلیا، پھر اپنے اعتقاد کے موافق عمل کرلیا تو یہ فاسد ہے، پس مانا کہ عمل فی نفسہ درست ہے لیکن اس کو اپنے باب سے اعتقاداً یا عملاً نکال دینا احکام شرعیہ کو فاسد کر دینے کے قبیل سے ہے، یہیں سے سلف صالحین کے قصداً سنتوں کے ترک کر دینے کا عذر ظاہر ہو گیا کہ جاہل یہ اعتقاد نہ کرنے لگیں کہ یہ عمل فرائض وواجبات میں سے ہے۔

(۵) مذکورہ بالا قاعدہ کی تتمیم کے لئے یہ اصول بھی پیش نظر رہے کہ فرض کیجئے کہ کسی امر

مشروع میں کچھ چیزیں لازم کی گئیں، یا مستقل کوئی امر جدید ایجاد کیا گیا تو اس سلسلے میں اس امر پر غور کرنا ضروری ہے کہ قرونِ مشہود لہا بالخیر یعنی دورِ نبوت، دورِ صحابہ، دورِ تابعین میں اس کا مقتضا اور موجب تھا یا نہیں؟ اگر اس کا مقتضا اس دور میں بھی موجود تھا مگر اسے اختیار نہیں کیا گیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس امر جدید کو بالقصد ترک کیا گیا ہے، مثلاً عید کی نماز کے لئے اجتماع مطلوب ہے، اور اجتماع کا تقاضہ ہے کہ اذان ہو، تا کہ وقت پر لوگ سہولت سے جمع ہو جائیں، لیکن اسے اختیار نہیں کیا گیا، اب اگر کوئی شخص اپنی رائے سے عیدین میں اذان کا اضافہ کر دے تو صریح بدعت ہے۔ اور اگر ان قیودات اور امر جدید کا مقتضا اس دور میں نہ تھا، اب پایا گیا، تو یہ دیکھنا چاہئے کہ مامور بہ ان لوازم پر موقوف ہے یا نہیں؟ اگر انہیں پر موقوف ہے تو بدعت تو کیا ہوتیں وہ بھی مامور بہ ہوں گی، مثلاً تحصیل نسبت مع اللہ مامور بہ ہے، دورِ اول میں اس کا حصول فقط رسول اللہ ﷺ اور صحابہ و تابعین کی صحبت ہی سے ہو جایا کرتا تھا، اس لئے ریاضت و مجاہدات اور اوراد و اشغال کی ضرورت نہ تھی، لیکن زمانۂ نبوت سے بعد اور نفوس بہیمی کے غلبہ کی وجہ سے اب ضرورت ریاضت و مجاہدات کی پڑی کہ اس کے بغیر تحصیلِ نسبت عادۃً بہت مشکل ہے، اس لئے انہیں بدعت نہ کہا جائے گا۔

دوسری مثال۔ علم دین کی تحصیل مامور بہ ہے، اس کا حصول عادۃً مدارس کے وجود پر موقوف ہے، اس لئے مدارس کا وجود بھی اس کے لوازم کے ساتھ ضروری ہے، اگر ان چیزوں میں کچھ شرعی خرابیاں پیدا ہو جائیں تو ان کی اصلاح کر دی جائے گی، انہیں ترک نہ کیا جائے گا۔ علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

فامثلة (القيد) الواجب منها من قبيل مالا يتم الواجب الا به فلا يشترط ان يكون معمولًا به في السلف ولا ان يكون له اصل في الشرعية على الخصوص لانه من باب المصالح المرسلة لا البدع۔ (الاعتصام ج ا ص ۱۹۷)

قیود واجبہ میں سے وہ قیود بھی ہیں جو "مالا یتم الواجب الا بہ" کے قبیل سے ہے، یعنی ایسی قید جس پر واجب کا حصول موقوف ہو، اس قید کا سلف میں مامور بہ ہونا شرط نہیں ہے، اور نہ یہ شرط ہے کہ خاص طور پر شریعت میں اس کی کوئی اصل ہو، اس لئے کہ یہ مصالح مرسلہ کے باب سے ہے، بدعت نہیں ہے۔

اور اگر مامور بہ کا حصول اس پر موقوف نہیں ہے، تو ان کا اختیار کرنا بس اسی حد تک درست ہے جب تک وہ اپنی حد پر رہے، اور اگر انہیں لازم سمجھ لیا جائے تو بدعت اور قابل ترک ہے جیسا کہ اس کی تفصیل قاعدہ نمبر چار میں گذری۔

(٦) کسی مرکب عمل کے اجزا اگر علیحدہ علیحدہ مباح، مستحب، یا مسنون ہوں تو یہی امر اس مجموعہ کے لئے جواز کی دلیل نہ بنے گا، نماز نفل امر مندوب، جماعت بھی مشروع، جماعت کے لئے تداعی و اہتمام بھی مامور بہ لیکن ان سب کی الگ الگ مشروعیت کے باوجود ان کا مجموعہ [۱] ناجائز اور بدعت ہے۔

[۱] یعنی اگر کوئی نفل نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کرے اور لوگوں کو اس میں شریک ہونے کی دعوت دے تو یہ ناجائز ہے۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

فذالك ابتداع والدليل عليه انه لم يات رسول الله ﷺ ولا عن اصحابه ولا عن التابعين لهم باحسان فعل هذا المجموع هكذا مجموعاً و ان اتى مطلقاً من غير تلك التقييدات فالتقييد فى المطلقات اللتى لم يثبت بدليل الشرع تقييدها رأى فى التشريع ۔(الاعتصام ۳۴۶)

پس یہ بدعت ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب اور تابعین سے یہ مجموعہ ثابت نہیں ہے، اگر چہ مطلقاً بغیر قید کے ثابت ہو، پس مطلق میں ایسی قید لگانا جو شریعت سے ثابت نہ ہو، شریعت میں رائے کو دخل دینا ہے۔

(۷) جو امر بذریعۂ غیر مشروع حاصل ہو، وہ خود نا جائز ہے۔

''یہ امر یقینی ہے کہ جو امرِ خیر بذریعۂ غیر مشروع حاصل ہو، وہ امرِ خیر نہیں، اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا ثمرہ کچھ بھی ہو، جائز الحصول نہ ہوگا'' ۔(تذکرۃ الرشید ج ا ص ۱۳۰)

(۸) التزام مالا یلزم اور دوام عمل میں فرق ہے، التزام میں لزوم کا اعتقاد ہوتا ہے، یا عوام میں اعتقادِ لزوم کا ایہام ہوتا ہے، ہر صورت میں کراہت سے خالی نہیں، بخلاف اس کے مندوب پر دوام میں، نہ اس کے لزوم کا اعتقاد ہوتا ہے اور نہ عوام کو اس سے کوئی ضرر ہوتا ہے، اور اگر ضرر ہونے لگے تو وہ بھی التزام میں داخل ہو کر ممنوع و مکروہ ہوگا۔

ان اصول وقواعد کو بغور ملاحظہ کیجئے، یہ تمام کلیات علمائے احناف کے درمیان مسلم ہیں تفصیل کے لئے ''براہین قاطعہ'' اور ''مکاتیب حضرت گنگوہیؒ وحضرت تھانوی قدس سرہما، مندرجہ تذکرۃ الرشید'' کا مطالعہ کیجئے، اس کے بعد موجودہ تبلیغی تحریک پر غور کیجئے۔

اولاً اس پر غور کیجئے کہ تبلیغ احکامِ مطلقہ میں سے ہے یا مقیدہ میں سے؟ تو اس کے متعلق علامہ شاطبی کا قول نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

الامر بتبليغ الشرعية بدون الاختلاف فيه لقوله تعالى ''يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك'' و امته مثله، وفى الحديث ''ليبلغ الشاهد منكم الغائب والتبليغ كما لا يتقيد بكيفية معلومة لانه من قبيل المعقول المعنى فيصح باى شئ من الحفظ والتلقين والكتابة وغيرها ذالك لا يتقيد حفظه عن التحريف والزيغ بكيفية دون اخرى ۔(الاعتصام ج ا ص ۱۸۷)

تبلیغ شریعت کا حکم بغیر کسی اختلاف کے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اے رسول! جو کچھ آپ کی طرف سے نازل کیا گیا اس کی تبلیغ کیجئے، اور آپ کی امت بھی آپ کے مثل مامور ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ ''چاہیئے کہ تم میں سے جو حاضر ہیں وہ غائب کو تبلیغ کر دیں'' اور تبلیغ جس طرح کیفیتِ متعینہ کے ساتھ مقید نہیں ہے، اس لئے کہ معقول المعنی کی قبیل سے ہے، لہٰذا حفظ، تلقین، تحریر جس صورت میں ممکن ہو، صحیح ہے، اس طرح شریعت کی تحریف وزیغ وغیرہ سے حفاظت کے لئے بھی

کوئی کیفیت اور صورت متعین نہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تبلیغ امور مطلقہ میں سے ہے، اور قاعدہ نمبر تین سے معلوم ہو چکا ہے کہ مطلق کو اپنی رائے سے مقید کرنا درست نہیں ہے، اب قابل نظر یہ امر ہے کہ تبلیغ موجودہ کے جو اعمال واشغال ہیں وہ قیود ہیں یا انضمامات؟ ظاہر ہے کہ اصلاً تو وہ امور منضمہ ہی ہیں، لیکن التزام واصرار کے باعث قیود بن گئے ہیں، کیوں کہ ان کے بغیر تبلیغ کا وجود ہی نہیں سمجھا جاتا، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ایک مطلق کی تقیید لازم آتی ہے۔

خود ان اجزاء پر فرداً فرداً غور کیجیے تو فی نفسہ وہ سب جائز اور مشروع ہیں، لیکن التزام واصرار کے باعث کوئی بھی اپنی حد پر نہیں رہ گیا، بلکہ انہیں واجب کا درجہ دے دیا گیا، اس سلسلے میں عامۃ الناس کا فسادِ عقیدہ بالکل ظاہر ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ترک پر ملامت کی جاتی ہے، اسی کا تو نام ''التزام مالا یلزم'' ہے، جو باتفاقِ فقہا مکروہ وممنوع ہے۔

مجموعی حیثیت سے غور کیجیے! کیا اس مرکب شکل کے ساتھ جس کی طرف آج دعوتِ عام دی جارہی ہے تبلیغ کا وجود قرون ثلاثہ میں تھا، ظاہر ہے کہ نہیں تھا، ہمارے اس زمانہ میں ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان ادوار میں اس کا داعی اور مقتضا موجود تھا یا نہیں؟ تبلیغ کا مقصد اشاعتِ دین ہے اور یہی مقتضا ہے مروجہ تبلیغ کا بھی، کون کہہ سکتا ہے کہ اشاعتِ دین کی ضرورت اسی دور میں ہوئی ہے، پہلے بھی تھی اور یقیناً تھی۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں میں فسق و فجور اور دین سے غفلت نہ تھی، لیکن دوسری اقوام میں شرک وکفر موجود تھا، قرون ثلاثہ کے بعد

عملی واعتقادی گمراہیاں بھی بہت پھیلیں تو مسلمانوں کو احکامِ اسلام سکھانے کی ضرورت بھی بکثرت پیش آئی، مگر اس کے لئے خاص یہ شکل تو کیا کبھی کوئی متعین اور محدود صورت نہیں اختیار کی گئی، جہاں جیسا مصلحت کا تقاضا ہوا، طریق کار اختیار کیا گیا، کہیں مقامی طور پر علماء و مشائخ نے تبلیغ وتلقین کا فرض انجام دیا، کہیں مشائخ نے اپنے خلفاء اور علماء نے اپنے تلامذہ کے وفود بھیجے، کہیں کوئی ایک شخص گیا، کوئی مسجد میں وعظ کہتا، کوئی عام مجامع میں تلقین کرتا، کوئی تصنیف وتحریر کے ذریعے تبلیغ کرتا، کہیں مناظرہ ومجادلہ کی نوبت آتی، کہیں حرب وضرب تک بھی معاملہ پہونچتا، اور یہ سب اسی ایک امر مطلق کی تعمیل تھی، کسی نے کوئی خاص طریقہ عمومی طور پر لازم نہیں کیا، اس کے برخلاف موجودہ تحریک میں دنیا کے ہر خطے اور ماحول میں وہی ایک طریق متعین ہے، اور سب پر لازم ہے، ظاہر ہے کہ یہ بالکل نیا امر ہے، اس صورت حال پر غور کیجیے کہ مقتضا ابتدا ہی سے موجود مگر اس کا حدوث اب ہوا، اس لحاظ سے قواعد کی روشنی میں تو یہ امر صریح بدعت معلوم ہوتا ہے۔ فتأمل

اگر کوئی کہے کہ موجودہ شکل کا مقتضا ان ادوار میں نہ تھا، اس وقت حالات ایسے نہ تھے۔ بے دینی اتنی عام تھی کہ اس اجتماعی شکل میں تبلیغ کی ضرورت ہوتی، اس کی ضرورت ہمارے اس دور میں ہوئی ہے، تو اول اسی میں کلام ہے، جیسا کہ اس کی طرف اشارہ سطور بالا میں گزر چکا ہے، لیکن چلئے فرض کیجیے کہ اس کا تقاضا اس وقت نہ تھا، آج ہی ہوا ہے، لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ تبلیغ وتعلیم کا حصول خاص اسی طریقہ پر موقوف ہے، اور عادۃً اس کے بغیر تبلیغ کا فریضہ ادا نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اب بھی تبلیغ کے مختلف شعبے ضعف کے ساتھ ساتھ ہی جاری ہیں، وعظ وتقریر، تصنیف وتالیف، مدارس وخوانق یہ تمام شعبے تو چل

ہی رہے ہیں، پھر تبلیغ کو اسی طریقۂ خاص میں منحصر کیسے کیا جا سکتا ہے؟۔

بہرکیف یہ بدیہی امر ہے کہ تبلیغ کا حصول اس پر موقوف نہیں ہے، لہٰذا اس مجموعہ کے التزام واصرار کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت ہے جیسا کہ قاعدہ نمبر چھ سے معلوم ہو چکا ہے، اور وہ ہے نہیں ۔مزید اگر غور سے دیکھا جائے تو بہت سے مفاسد اس میں شامل ہیں، التزام مالایلزم تو ہر ہر جزء میں ہے، مثال کے طور پر دعاء بالجہر للاجتماع، بے شک مطلق دعاء مامور بہ ہے، لیکن متعین مواضع پر التزاماً دعاء جہراً واجتماعاً کرنا بلاشبہ ایک نئی بات ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں، اسی طرح اس تحریک میں جہلاء کو علماء کے منصب پر فائز کرنے کا بالعموم رواج ہے، وعظ اور خطاب عام کرنا...... کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے...... کہ علماء کے لئے مخصوص ہے، کسی جاہل، ناواقف کو وعظ کہنے کا حق نہیں ہے، خطاب خاص کے ساتھ انفراداً کسی کو نصیحت کرنے کی اجازت تو ہے مگر محافل ومجامع میں نہ وعظ کہنا درست ہے نہ اس کا سننا، جب کہ عام مشاہدہ ہے کہ بالکل ناواقف شخص جو شریعت کے اصول وقواعد سے بالکل نابلد ہوتا ہے، اسے امیر بنا دیا جاتا ہے، اور وہ بے ڈھڑک وعظ کہتا پھرتا ہے، اور اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جاہل وناواقف سے ہر وہ شخص مراد ہے جس نے علماء کی صحبت میں رہ کر معتد بہ علم جس سے عرف میں عالم کہلاتا ہو، نہ حاصل کیا ہو، اور نہ اسے کسی معتمد عالم سے وعظ کہنے کی اجازت ہو۔

اسی طرح نہی عن المنکر جو شریعت کا ایک مستقل فریضہ ہے، وہ بھی جماعت میں التزاماً متروک ہے، بلکہ اس کے ترک کا حکم ہے، یہ بھی علماء کی تصریحات کے مطابق نادرست ہے۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

ان البدعة من حيث قيل فيها انها طريقة مخترعة الخ. يدخل في عموم لفظها البدعة التركية فقد يقع الابتداع بنفس الترك تحريماً للمتروك او غير تحريم فان الفعل مثلاً قد يكون حلالا بالشرع فيحرمه الا نسان على نفسه او يقصد تركه قصداً.

بدعت کے بارے میں جب کہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ دین میں گھڑے ہوئے طریقہ کا نام ہے، الخ۔ تو اس کے عمومِ لفظ میں بدعت ترکیہ بھی داخل ہے، جیسا کہ بدعت غیر ترکیہ داخل ہے، پس بدعت صرف ترک کر دینے کا نام ہے، خواہ متروک کو حرام سمجھ کر ترک کیا ہو، خواہ حرام نہ سمجھا ہو، اس لئے کہ مثلاً فعل کبھی شرعاً حلال ہوتا ہے، مگر انسان اس کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، یا قصداً اسے ترک کر دیتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

و ان كان الترك تديناً فهو الابتداع اذ قد فرضنا الفعل جائزاً شرعاً فصار الترك المقصود معارضة في شرع التحليل.

(الاعتصام ج ۱ ص ۴۲)

اور اگر ترک تدیناً ہے تو یہ ابتداع فی الدین ہے، اس لئے کہ فعل کو ہم نے جائز فرض کیا ہے، لہٰذا بالقصد ترک کر دینا شارع کا معارض ہوگا کہ یہ تحلیل شارع کے مقابلے میں تحریم ہے۔

علاوہ ازیں اور بھی مفاسد ہیں جن کا ذکر سوال میں موجود ہے، اس لئے حسبِ قاعدۂ مذکورہ اس کا تدارک ضروری معلوم ہوتا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ اس تحریک سے دینی فوائد بہت ہیں، تو بلاشبہہ یہ صحیح ہے، اس کا انکار کون کرسکتا ہے؟ لیکن مخصوص فوائد کا ہونا کسی چیز کی صحت کی دلیل نہیں، فائدہ وہی معتبر ہے، جو بذریعۂ مشروع ہوا ہو، اگر موجودہ تبلیغ دلائل وقواعد کی رو سے درست ہو تب تو کلام کی گنجائش ہی نہیں، ورنہ ان منافع کا شرعاً کچھ وزن ہی نہیں ہے جنہیں حاصل کرنے کے لئے مکروہات وممنوعات کا ارتکاب کیا گیا ہو۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کی حیثیت فتوی کی نہیں ہے بلکہ سوال وجواب دونوں مل کر ایک استفتا ہے، جو حضرات اہل علم کی خدمت میں پیش ہے، اب تک اس حیثیت سے جماعت کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے، چونکہ اپنے جماعت کے اکابر نے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے، اور اپنے ہی اکابر کی سرپرستی میں چل رہی ہے، اس لئے کبھی غور کی ضرورت ہی شاید محسوس نہیں ہوئی، اگرچہ بعض اوقات ناخوشگواریاں پیش آتی ہیں، لیکن عوام کا غلو کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے، لیکن سوچنے کا ایک طرز یہ بھی ہے، حضرات اہل علم غور کریں، اور دیکھیں کہ اس میں خامی کیا ہے؟ اگر واقعتہً کوئی کمی اور کجی ہے تو اس کو ظاہر کریں ورنہ جو کچھ صحیح ہوا سے ظاہر کردیں۔

واللہ الموفق والمعین

☆☆☆☆☆☆

تبلیغی جماعت اور اس کے اجتماعات

تحریکات کا مزاج عموماً یہ ہے کہ کوئی صاحبِ عزیمت شخص اسے برپا کرتا ہے، اور اس کے مقاصد متعین کرتا ہے، ابتدا میں وہ انہیں خطوط پر کام کرتی ہیں، اور ڈرتی بھی رہتی ہیں کہ اصحابِ نظر کہیں اس کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں، احتیاط کو بھی کام میں لاتی رہتی ہیں، لیکن جب یہ تحریکیں پھیل جاتی ہیں اور کسی درجہ میں مقبول اور مؤثر ہوجاتی ہیں تو ہر قسم کے رطب ویابس لوگ اس میں گھس آتے ہیں، اور جو آتا ہے اپنے نظریات وخواہشات سمیت آتا ہے، پھر تحریکات احتیاط ترک کرکے بہت سے نامناسب امور میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔ ذمہ داروں کی طرف سے ایسے عناصر سے اس کی تطہیر کا عمل ہوتا رہے تو ان کی افادیت کچھ عرصے تک برقرار رہتی ہے، لیکن اگر انہیں عناصر کا غلبہ ہوجائے اور اس کی تطہیر نہ ہوسکے تو نفع سے زیادہ نقصان ہونے لگتا ہے۔

ادھر پچھلی صدیوں میں ہندوستان میں بھی اور ہندوستان کے باہر بھی مختلف مقاصد کے لئے مختلف نام سے بہت سی تحریکیں اٹھیں، جنھوں نے کچھ مدت تک مناسب کام کئے، مگر بعد میں ''واثمھما اکبر من نفعھما'' کی مصداق بن کر رہ گئیں۔

پچھلی صدی میں دین کی خدمت، اس کی تبلیغ واشاعت اور مسلمانوں کے درمیان دینی علم وعمل کی ترتیب واستحکام کے لئے مشہور داعی بزرگ حضرت مولانا الیاس صاحب

کاندھلوی نوراللہ مرقدہ نے ایک عظیم تحریک کی بنیاد ڈالی، یہ تحریک بہت مخلصانہ تھی، اس کے پیچھے زبردست اخلاص اور دینی جذبہ کام کر رہا تھا، حضرت مولانا ہمہ اخلاص ہمہ سوز اور ہمہ عزیمت تھے، ان کے جوش اندروں نے تھوڑے عرصے میں دینی علم وعمل کا ایک ایسا صور پھونکا کہ مشرق سے مغرب تک مسلمان چونک پڑے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ لوگ جو دین سے بے گانہ تھے، ایمان واسلام کے داعی بن گئے، امیر المومنین حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کی اصلاحی وایمانی اور جہادی تحریک کے بعد اس کا قدرے پرتو حضرت مولانا الیاس صاحب کی تحریک میں نظر آیا، ابتداء میں یہ تحریک احتیاط سے چلی، حضرت مولانا علیہ الرحمہ علماء کو متوجہ کرتے رہتے کہ اس طریق کار کو دیکھتے رہیں، کہیں کوئی غلطی تو دراندازنہیں ہو رہی ہے؟ پھر یہ تحریک بڑھی اور پھیلی اور اس میں ہر طرح کے لوگ شامل ہو گئے، چونکہ اس کا مزاج دعوت ہے اس لئے ہر ایک کو اس میں آنے کی دعوت دی گئی، دعوت ہی نہیں اس میں شامل ہونے پر غیر معمولی اصرار کیا گیا، پھر ظاہر ہے کہ ہر طرح کے عناصر داخل ہونے ناگزیر تھے، تحریک کی ہمہ گیری نے اور عوامی رویے کی سطحیت نے جہاں اس میں شرعاً نامناسب چیزیں داخل کر دیں، وہیں اس کا مزاج بھی تبدیل ہو گیا، پہلے علماء کا علم وتقوی معیار تھا کہ اس جماعت میں کوئی غلطی نہ آجائے، مزاج بدلا تو یہی تحریک حق بن گئی، صرف حق نہیں معیارِ بن گئی، اب اس تحریک میں شامل افراد کا عام خیال یہ ہے کہ جو عالم خواہ کتنا ہی صاحب علم ہو، اگر اس تحریک سے وابستہ ہے تو معتبر ہے، ورنہ خارج از اعتبار ہے، ایک چلتی ہوئی مثال بکثرت سننے میں آتی ہے کہ ''یہ تحریک سفینۂ نوح کے مثل ہے، جو اس میں آگیا وہی ہدایت پر ہے، نجات یافتہ ہے، ورنہ غرق طوفان ہے''!

یہ مثال اور بحالات موجودہ اس مثال کو اس تحریک پر منطبق کرنا غلو ایک نمونہ ہے، عوام الناس کا یہ خیال کچھ اور رنگ پر آگیا ہے کہ یہ تحریک اور اس تحریک کا ہر طریق کار معصوم ہے، اس پر نہ ٹوکا جا سکتا اور نہ اس میں غلطی کا تصور کیا جا سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی عالم نے کسی بدعنوانی پر تنبیہ کی تو اس تحریک کے افراد اسے مخالفت قرار دے کر حیز اعتناء والتفات سے اسے خارج کر دیتے ہیں، اس مزاج میں یہ جماعت اتنی پختہ ہو گئی ہے کہ اس کے اپنے افراد بھی اگر کسی بات پر نکیر کرتے ہیں تو وہ بات نہیں، بلکہ خود نکیر کرنے والا نظر سے گر جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نوراللہ مرقدہ نے جن خطوط پر جماعت کی تحریک چلائی تھی اور ان کے جو خیالات تھے، ان سے اب یہ جماعت بہت ہٹ چکی ہے۔ حضرت مولانا کے ملفوظات کا مجموعہ مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمہ نے مرتب فرمایا، اور ان کی سوانح حیات نیز ان کی اس تحریک کا تعارف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ نے تفصیل سے لکھا ہے، انہیں ملاحظہ فرمایئے، اور جس رخ پر جماعت چل رہی ہے دونوں کا موازنہ کیجئے تو بہت فرق ملے گا، غالباً اسی وجہ سے یہ دونوں کتابیں تبلیغی تحریک میں بار نہیں پا سکی ہیں۔

اس تبلیغی تحریک میں ایک بڑا اہم مقام ''اجتماعات'' کا ہے، اس تحریک میں چھوٹے بڑے اجتماعات کا ایک دستور سا ہو گیا ہے، ایک روز کے مختصر اجتماعات تو خیر کسی قدر مفید کہے جا سکتے ہیں، مگر بہت بڑے اجتماعات کی افادیت مشکوک ہے، بڑے اجتماعات کا اہتمام بہت ہوتا ہے، تین روز کے اجتماع کے لئے اللہ ہی جانتا ہے کتنا مال خرچ ہوتا ہے؟ اور اس مال کا حصول شرعی اعتبار سے قباحت سے خالی نہیں ہوتا۔

اس تحریک سے وابستہ حضرات دینی مدارس کے چندوں کی بہت تحقیر کرتے ہیں،

مدرسہ کی خدمت کو دینی خدمات ماننے سے ان کے دلوں میں گرانی ہوتی ہے، کیوں کہ یہ چندے کرتے ہیں، اوران میں خدمت کرنے والے انہیں چندوں سے تنخواہ پاتے ہیں، لیکن جب ان اجتماعات پرخرچ ہونے والے سرمایے پرنظر ڈالی جاتی ہے تو یہ چندہ نہیں ٹیکس معلوم ہوتا ہے، اجتماعات کے منتظمین مسلمانوں کی آبادیوں پراخراج کی مدات تقسیم کردیتے ہیں، بانس بلی کی ذمہ داری، کھانے پینے کی ذمہ داری، پانی کی ذمہ داری، ٹینٹ کی ذمہ داری، قضائے حاجت کے مواقع کی ذمہ داری اوراللہ جانے کیا کیا ذمہ داریاں مختلف آبادیوں کے ذمے کردی جاتی ہیں، اب اسے خواہی نخواہی یہ کام کرنا ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ وہ لوگ دین سے گریز کررہے ہیں۔اس سلسلے میں مختلف طرح کی وعیدیں لوگوں نے گھڑرکھی ہیں، جنہیں سنا سنا کرلوگوں کو ہلکان کیا جاتا ہے، پھر یہ بڑے اجتماعات عوام الناس کے لئے میلے کی شکل اختیار کرلیتے ہیں، اوراس کام سے وابستہ لوگوں کے لئے فخر وریا اور شہرت ونموکا ذریعہ بن جاتے ہیں، عرصہ تک یہ چرچا کیا جاتا ہے کہ اتنے اتنے لاکھ افراد آئیں گے، یہ پروپیگنڈہ اتنے منظم پیانے پر ہوتا ہے کہ شبہہ ہونے لگتا ہے کہ ریا ونمود ہی مقصود ہے، بلکہ اس کی ہر ہر چیز کی الگ الگ تشہیر کی جاتی ہے، مجمع کی زیادتی کی الگ، تشکیل کی الگ، اتنی اتنی جماعتیں بن کرنکلیں، اس کی الگ، خصوصاً دعاؤں کی بہت تشہیر کی جاتی ہے، اجتماع کی کامیابی کے لئے دعا کی تشہیر، اس کے لئے اعتکاف کی تشہیر، اس کے لئے روزہ رکھنے کی تشہیر، پھر اجتماع کے خاتمے کے دعا کی تشہیر! اس کے علاوہ اجتماع میں اجتماعی نکاح کا اہتمام! خدا جانے اس کے کیا لوازمات والتزامات ہیں؟ پھر اس اجتماع کے سلسلے میں تقدس کا ایسا اعتقاد دیا جانے لگا ہے کہ نہ مدارس کی تعلیم، نہ خانقاہوں کے اشغال واوراد، نہ کسی اور دینی جماعت کی سرگرمی،

کسی کی کوئی اہمیت نہیں رہتی، بلکہ اب تو زبانوں پر حج کے اجتماع سے موازنہ بھی دبے دبے لہجے میں آنے لگا ہے، اندیشہ ہے کہ یہ لہجہ آئندہ بلند ہوجائے گا۔

اس تحریک اوراس کے اجتماعات کے یہ رویے، بہت زیادہ اندیشہ ناک ہیں کہ کہیں یہ تحریک جو دین کی خدمت کے لئے اٹھائی گئی تھی خود مستقل دین نہ بن جائے۔عملاً رویہ کچھ ایسا ہی ہے کہ یہ خود ایک مستقل دین بن گئی ہے، ایسی صورت میں اصحاب علم کو مجبوراً کہنا پڑے گا کہ یہ تحریک اور یہ طریقۂ کار سنت سے دور جا پڑا ہے، دیکھا جاتا ہے کہ اب بجائے خادمیت کے اس میں مخدومیت کی شان آگئی ہے۔اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆

جماعت تبلیغ۔ مشورے اور گزارشیں

یہ خاکسار راقم جماعت تبلیغ کے اندر کچھ ایسی چیزیں دیکھ رہا ہے جسے اکابر کے سامنے پیش کر دینا امانت و دیانت کا تقاضا سمجھتا ہے، اس دیکھنے والے کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے تاہم چونکہ ان تمام اکابر سے تعلق رکھتا ہے جو تبلیغی جماعت اور اس کے اجتماعات کی سرپرستی فرماتے ہیں، اور ان احباب سے محبت رکھتا ہے جو اس میں شرکت کو دین و ایمان سمجھتے ہیں، اور دین نام ہی خیر خواہی کا ہے، اس لئے کچھ باتیں ان کی خدمت میں پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہے، اگر مجھ سے غلطی ہو رہی ہے تو اصلاح کا امیدوار ہوں، اور اگر یہ گزارش کسی درجہ میں لائق اعتنا ہے تو حضرات اکابر توجہ فرمائیں۔

مفید تحریکات کا مزاج عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ابتدا میں وہ ایک فطری سادگی کے ساتھ چلتی ہیں، ان میں مقصدیت کا عنصر غالب ہوتا ہے، ذرائع و وسائل کو ان کے درجے پر ہی رکھا جاتا ہے، لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے اور اس تحریک کا پھیلاؤ بڑھتا ہے اس میں دوسرے عناصر بھی شامل ہوتے چلے جاتے ہیں، وسائل بھی مقاصد کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں، اور بعض اوقات تو تحریک کسی اور ہی رخ پر چل پڑتی ہے، ایسے وقت میں بہت چوکنا ہو کر ان فاضل عناصر کو دیکھتے رہنا بہت ضروری ہوتا ہے، جو تحریک کے لئے مضر یا اجنبی ہوں، اور ضرورت ہوتی ہے کہ وقتاً فوقتاً تطہیر کا عمل جاری ہے، ورنہ ابتدا کا رنگ انتہا میں باقی

نہیں رہتا ہے، یہ مزاج تحریکات ہی تک محدود نہیں ہے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود دین اسلام میں نئی نئی چیزیں کرنے والے شامل کر دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ دین کی تطہیر و تجدید کے لئے مجددین کو مقرر فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا''۔ (ابوداؤد شریف۔ کتاب الملاحم) ہر سو سال پر اللہ تعالیٰ اس امت کے واسطے ایسے شخص کو کھڑا کرتے ہیں جو دین کی تجدید کرے یعنی زائد آمیزشوں سے اسے پاک کرے۔

تبلیغی جماعت جو اشاعت دین کی تحریک کے طور پر شروع ہوئی تھی، اور اب اس پر نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، اور ماشاءاللہ اس کے اثرات و فوائد عالمی پیمانے پر ظاہر ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑا کام لیا لیکن جیسے اور تحریکات میں نامناسب عناصر کے داخل ہونے کا امکان ہوتا ہے، اس تحریک کا بھی اصول دین کی روشنی میں احتساب کرنا چاہیے، اگر کوئی چیز نامناسب اس میں داخل ہوگئی ہو تو اسے چھانٹ دیں، حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ہر شخص، ہر جماعت، ہر تحریک جو دینی خدمت کرتی ہے، وہ مکلّف ہے کہ اپنے طریقۂ کار کو قرآن و سنت پر پیش کرے، حضرات صحابہ کے تعامل پر پیش کرے، معیار یہی ہے، تمام ائمہ کرام، مشائخ عظام نے یہی کوشش کی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر رہیں، ہر ایک نے برملا اعلان کیا ہے کہ ان کا کوئی قول و عمل یا کشف و الہام دلیل سے ثابت ہو جائے کہ خلافِ سنت رسول ہے تو اسے بے تکلف رد کر دیں۔

تبلیغی جماعت بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں ہے، تحزب و عصبیت سے برکنار

ہو کر یہ ضرور دیکھنا چاہئے کہ اس میں ایسی کوئی بات تو نہیں آ چلی ہے جسے نہیں ہونا چاہئے، تبلیغی جماعت کا مسئلہ اس حیثیت سے بہت اہم ہے اور نازک ہے (کہ اس میں جو بھی غلطی ہوگی) تو وہ انفرادی نہ ہوگی، ایک بڑی اجتماعیت اس میں سرایت کر جائے گی، اور وہ دین کا تقدس بھی اختیار کرے گی، کیوں کہ ماشاء اللہ اس جماعت کا حلقہ دنیا کی تمام دینی جماعتوں سے بڑا ہے، بلکہ یہ عالمی حلقہ ہے، اس لئے کوئی بھی صدا جو اس حلقہ میں ایک جگہ بلند ہوتی ہے اس کی گونج سارے اسلامی جہاں میں سنائی دیتی ہے۔

(۱) بنگلہ دیش کے اجتماع میں شریک ہونے والے اور وہاں کے مقررین وواعظین کے تقریروں کو سننے کے بعد یہ احساس بہت ہوا کہ ان میں غلو کا خاصا دخل ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دین کے اندر غلو کرنے سے منع فرمایا ہے: ’’قل یااھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق‘‘ غلو کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز یا حکم کا جو درجہ ہے اس کو بڑھا دیا جائے، تبلیغی جماعت اور اس کے موجودہ طریقۂ کار خود دین ومذہب نہیں ہے، بلکہ دین سے غافل اور نا آشنا لوگوں کو دین کی طرف متوجہ اور آشنا کرنے کا ایک ذریعہ اور طریقہ ہے، یہ طریقہ بذات خود مقصود نہیں ہے، حصول مقصود کا واسطہ ہے، یہ طریق بہیئت مجموعی منصوص نہیں ہے بلکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے الہام و تجربات کی روشنی میں اسے ترتیب دیا ہے، لیکن حضرات واعظین کی تقریروں سے بھی اور اس میں شریک ہونے والوں کے عمومی رجحان سے بھی یہی احساس ہوتا ہے کہ بذات خود یہی طریقہ مقصود ہو گیا ہے، چنانچہ اجتماع کی تقریروں میں عموماً یہی بات بتکرار کہی جاتی

رہی کہ ’’دعوت سے اونچا کوئی عمل نہیں، یہ پوری امت کی ذمہ داریاں ہے، اس کے واسطے ملکوں ملکوں پھرنا چاہئے‘‘۔ بعض حضرات نے تو یہ تک فرما دیا کہ ’’دعوت کا یہ عمل مثل کشتیٔ نوح کے ہے، نجات وہی پائے گا جو اس میں آ جائے گا‘‘۔ ان بزرگوں کی گفتگو میں جب دعوت کے عمل کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس سے یہی مخصوص طریقۂ کار مراد ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ باتیں غلو اور افراط پر مبنی ہیں، پھر ہر ایک کو اس میں شریک ہونے کی دعوت پوری قوت سے دی جاتی ہے۔

ان تقریروں سے عوام تو عوام ہیں خواص کا بھی یہی ذہن بنتا ہے کہ جو لوگ جماعت کے اس طریقۂ کار میں شریک نہیں ہوتے، خواہ وہ دین کی خدمت کسی اور راہ سے کتنی ہی کرتے ہوں، وہ ایک بڑی ذمہ داری سے پہلو تہی کرتے ہیں، اور نجات سے گویا محروم رہتے ہیں، حالانکہ ایک طریقۂ دعوت وتبلیغ جو منصوص نہیں ہے یا کوئی اور طریقہ جو دینی خدمت کے لئے کسی تجربہ اور مصلحت کے تحت اختیار کیا جائے، اس میں شرکت نہ واجب ہے اور نہ اس میں شریک نہ ہونے سے کوئی فرد یا جماعت مستحق ملامت ہے، بلکہ اس میں شرکت کی شدومد سے دعوت دینا اور اصرار کرنا خود محلِ نظر ہے، جب ائمہ فقہ [۱] کو اپنے مسلک میں شمولیت کی دعوت عام دینے کا اختیار نہیں ہے، تو دوسروں کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ لیکن تبلیغی جماعت کے طریقۂ کار میں شرکت کی نہ صرف دعوت عام دی جاتی ہے بلکہ تشکیل کے نام پر اس پر ایسا اصرار ہوتا ہے کہ شرکت نہ کرنے والوں کے مجرم ہونے کا شبہہ ہونے لگتا ہے، گویا ان کی ذمہ

[۱] مشہور واقعہ ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کی فقہ کا لوگوں کو سرکاری طور پر پابندی کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن امام مالک علیہ الرحمہ نے اس کو منع کر دیا تھا۔

داری ہے کہ اس میں ضرور شریک ہوں، حالانکہ علماء کی یہ ہرگز ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ خاص اس طریقہ سے تبلیغ وتعلیم کا فریضہ انجام دیں۔خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو علماء دینی خدمت کی مشغولیت رکھتے ہوں انہیں اس میں نکلنے کی دعوت نہ دی جائے، بس ان سے دعا کرائی جائے۔

(۲) (دعوت وتبلیغ کے فضائل) بہت زیادہ اور نہایت شد ومد سے بیان کئے جاتے ہیں، اس سلسلے میں دو باتیں خاص طور سے قابل توجہ ہیں، اور افسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں عوام نہیں ذمہ داروں کی طرف سے بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ فضائل کے سلسلے میں ہر قسم کی رطب ویابس روایات ہے، بے سروپا حکایات، اور خواب وخیال اور کشف وکرامات سے کام لیا جاتا ہے، بلکہ موضوع روایات کو بھی بے تکلف بیان کردیا جاتا ہے، موضوع روایات کا امت میں رواج پانا خود ایک مصیبت ہے، پھر اس سے جو ذہن بنتا ہے وہ مزید مصیبت کا باعث بنتا ہے۔ایک صاحب کے سامنے گناہوں کی قباحت اور ان پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذکر آیا تو کہنے لگے کہ حدیثوں میں ایک ایک دعا پر بیس بیس لاکھ نیکیوں کا وعدہ ہے، اتنے گناہ تو ہم کرتے بھی نہیں، یہ ذہن جب بنتا ہے تو گناہ کا ڈر ختم ہوجاتا ہے کہ جماعت میں جائیں گے اور سب گناہ معاف ہوجائیں گے، یہ رجحان کتنا خطرناک ہے؟ محتاج بیان نہیں!

دوسرے یہ کہ مقرر حضرات رسول ﷺ کے واقعات وحالات کو آج کی جدید تبلیغی اصطلاحات میں بیان کرتے ہیں، اصطلاحات کی تبدیلی کی وجہ سے واقعہ کی صورت کچھ سے کچھ ہوجاتی ہے، مثلاً حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جہاد کے لئے سفر ہوتے تھے،

قدیم اصطلاح میں اسے 'غزوہ' یا 'سریہ' یا 'فی سبیل اللہ' کہا جاتا تھا، چنانچہ قرآن میں مصارف زکوۃ میں 'فی سبیل اللہ' کو جو ذکر آیا ہے فقہاء نے اس کا مصداق غزوہ کے مسافر کو قرار دیا ہے، جو فوج سے پیچھے رہ گیا ہو، ان الفاظ سے واقعہ کی صحیح صورت ذہن میں آتی ہے، لیکن یہ حضرات اسے ''جماعت'' کے نکلنے سے تعبیر کرتے ہیں، اس سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جیسے آج کل جماعتیں نکلتی ہیں، اسی طرح صحابہ کرام کی بھی جماعتیں نکلتیں تھیں، حالانکہ دونوں میں بہت فرق ہے، کہاں حضرات صحابہ کا جہاد وقتال کے لئے اسلحہ بند ہوکر نکلنا؟ جہاں ہر وقت جان کا خطرہ رہتا تھا، اور کہاں موجودہ جماعتوں کا نکلنا؟ بنگلہ دیش کے اجتماع میں تو ایک صاحب نے تو اور کمال کردیا، کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب حکم ملا کہ مصر میں فرعون کے (پاس جایئے اور ان کو دعوت دیجئے) تو اسے مقرر صاحب نے یوں تعبیر کیا کہ ''کوہ طور سے جماعت چلی''۔

(یہ ایسی سنگین باتیں ہیں جن) پر حضرات اکابر کو بہت سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔

(۳) جماعت میں جو امیر مقرر کئے جاتے ہیں ان کا مسئلہ بھی خاصا اہم ہے، جماعت کے امراء اکثر صاحب علم نہیں ہوتے، لیکن امارت کے منصب کی وجہ سے بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں، وہ بہت سی ناہموار باتیں عوام کے درمیان کرجاتے ہیں جس کی وجہ سے غلط علم عوام میں پھیلتا ہے، اس سلسلے میں عموماً یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ کیا کریں صاحب علم امیر نہیں ملتے تو جو بھی مل جاتا ہے اسی کو امیر مقرر کردیا جاتا ہے، لیکن یہ عذر قابل قبول نہیں ہے۔اصول یہ ہونا چاہیئے کہ جب لائق امیر ملے جبھی جماعت تشکیل دی جائے اور اگر کسی ایسے شخص کو امیر بنانا ناگزیر ہو جس میں علمی لیاقت نہ ہو تو اسے پابند کردیا جائے کہ وہ عوام کے درمیان خطاب

عام نہ کرے، بلکہ صرف کتاب پڑھ دیا کرے، اوراس میں بطور تشریح کچھ بھی نہ کہے۔

(۴) جماعت اوراجتماعات دیکھنے اوران میں شرکت کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بیان وتقریر اور تشکیل ہی اصل مقصود ہے، تقریروں کی اتنی کثرت ہوتی ہے، اور اتنا طولانی بیان ہوتا ہے کہ آدمی اکتا جائے، اور جماعتیں جو مسجدوں میں قیام کرتی ہیں، وہ ہر نماز کے بعد بیان کو ضروری سمجھتی ہیں، اور تشکیل کا حاصل عنصر اصرار ہوتا ہے، یہ باتیں افراط پر مبنی معلوم ہوتی ہیں، بیان دن بھر میں صرف ایک ہونا چاہیے، باقی اوقات جماعت کے افراد باہم مذاکرہ کریں، تلاوت میں مشغول رہیں، دعائیں یاد کریں، مسائل سیکھنے کا اہتمام کریں، مقامی لوگوں کو بھی اس میں شریک ہونے کی دعوت دیں، دن بھر کی پانچ تقریریں سب پر بھاری پڑتی ہیں، لوگ تقریروں کا اعلان سنتے ہیں اور مسجد سے باہر نکلنے لگتے ہیں، تذکیر میں لوگوں کی مزاج کی رعایت تو خود رسول اللہ ﷺ نے کی ہے کہ لوگ اکتا نہ جائیں۔ لوگوں کے بھاگنے کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ تقریر کرنے کے لئے ہر کس وناکس کھڑا ہو جاتا ہے، حالانکہ ہر شخص کو نہ تقریر کرنی جائز ہے اور نہ ہر شخص کی تقریر سننی درست ہے۔

تشکیل میں اصرار کا حاصل یہ ہے کہ خواہی نخواہی جماعت میں نکلو، حالانکہ تبلیغ کا جو طریقۂ کار منصوص نہیں ہے اس میں شرکت پر اصرار کرنا مناسب نہیں ہے، ترغیب دینے کا مضائقہ نہیں ہے، بذات خود تبلیغ کی ہیئت موجودہ کو مقصود بنا لینے کا یہ مطلب ہوگا کہ ایک وسیلہ وذریعہ کو اصل مقصد بنا لیا جائے، یہ بات شرعی اصول کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔

(۵) تبلیغ کے نام پر اتنے بڑے بڑے اجتماعات کا اہتمام بھی کھٹکتا ہے، ۱۳۹۰ھ میں دہلی مرکز میں مجھے دو ہفتہ رہنے کا اتفاق ہوا تھا، اس وقت وہاں بڑے حضرات سے سنتا تھا کہ حضرت مولانا یوسف صاحب نوراللہ مرقدہ بڑے اجتماعات کی اجازت بہت مشکل سے دیتے تھے، وہ بڑے اجتماعات کو پسند نہیں کرتے تھے، پھر حضرت مولانا کے مکاتیب میں بھی یہ مضمون دیکھا کہ وہ ہفتہ واری اجتماع کو اہم قرار دیتے تھے، مگر اب بڑے اجتماعات کی بڑی کثرت ہوگئی ہے، اور انہیں عوام کی نظروں میں ایسا تقدس حاصل ہوتا جارہا ہے جیسے آگے چل کر یہ حج کے اجتماع کے مشابہ قرار پا جائیں گے، چنانچہ زبانوں پر مجمع کی تعداد کی لحاظ سے سہی، حج کے اجتماع سے اس کا موازنہ آنے لگا ہے۔ کیا بعید ہے کہ کچھ دنوں کے بعد تقدس کے اعتبار سے بھی موازنہ ہونے لگے۔

پھر ایک ایک اجتماع میں کروڑوں روپے صرف ہو جاتے ہیں، کشن گنج بہار میں ابھی ۲۸ رفروری کو اجتماع ہوا تھا، اس سے کچھ دنوں پہلے اس کے قریبی ضلع ارریہ میں مجھے جانے کا اتفاق ہوا تھا، معلوم ہوا کہ ارریہ کوٹ کے ایک شخص نے اس کے ایک حصے کے شامیانے کے لئے چار لاکھ روپے دیے ہیں، صرف تین چار روز کے لئے اتنے پیسے صرف کر دیے جاتے ہیں، ایک ظاہری شان وشوکت معلوم ہونے لگتی ہے، فخر سے لوگوں کی زبانوں پر یہ آنے لگتا ہے کہ اتنے اتنے لاکھ آدمی جمع ہوئے تھے، لیکن کیا اتنے صرفہ کے بقدر اس کے نتائج نکلتے ہیں؟ یہ بہت قابل توجہ ہے۔

ہندوستان کے گاؤں گاؤں میں دینی مکاتب اور مدارس کی سخت ضرورت ہے لیکن گاؤں میں یہ مکاتب ومدارس نہیں چل پاتے، کیوں کہ عمارت نہیں ہے، اساتذہ کی معقول

کفالت نہیں ہے، بچے دین سے جاہل رہتے ہیں، ان مدارس و مکاتب کے لئے پکارا جاتا ہے تو وہی لوگ غریب ہو جاتے ہیں، جو اجتماعات کے سلسلے میں خاصے دولت مند نظر آتے ہیں، انہیں اس ٹھوس اور بنیادی خدمت دین کے لئے خرچ کی توفیق نہیں ہوتی، اور وقتی اجتماع کے لئے لاکھوں لاکھوں روپے مسلمانوں کی جیب سے بے تکلف نکل آتے ہیں، ان بڑے اجتماعات کے بجائے چھوٹے چھوٹے اجتماعوں کو کارآمد بنانے کی سعی کرنی چاہئے، تاکہ بے تحاشا اخراجات بھی نہ ہوں، اور دینداری لوگوں میں آہستہ آہستہ راسخ ہوتی رہے، اور اس کے ساتھ ہر جگہ مدارس و مکاتب کا نظم کیا جائے کہ بچے ابتداء ہی سے دین سیکھ جائیں۔

یہ چند باتیں جماعت اور اجتماعات کو دیکھنے کے بعد عموماً محسوس ہوتی ہیں، برائے اعتراض نہیں، از راہ خیر خواہی دین و مذہب بزرگان تبلیغ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں، اس پر توجہ فرمائیں، ورنہ یہ جماعت بھی مختلف فرقوں کی طرح ایک فرقہ بن کر رہ جائے گی، بلکہ اسی رخ پر چلنے لگی ہے، حضرات اکابر اگر توجہ دیں تو اس کا تدارک ہوسکتا ہے۔

ان اريد الا الاصلاح ما استطعت۔ وما توفيقي الا بالله عليه توكلت و اليه انيب

☆☆☆☆☆☆